شعروادب:
ڈاکٹر محمد نیاز احمد، پٹنہ

ہندوستان میں
فارسی شاعری کا آخری دور اور مفتی میر محمد عباس لکھنوی
ایک مطالعہ

یہ وہ زمانہ تھا جب مغلوں کی حکومت ختم ہورہی تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ نادرشاہ ہندوستان کی ساری دولت لے گئے اور دہلی کے قتل عام نے یہاں کے باشندوں کے حوصلے پست کردیے تھے۔ نادرشاہ کے حملے کے ۷۲ سال بعد مفتی محمد عباس نے دنیا میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت ہندوستان کی سلطنت بالکل کمزور ہوچکی تھی۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر چھ حملے کیے۔ دہلی کی رونق ان حملوں کی وجہ سے ختم ہوچکی تھی۔ شرفا واہل قلم دہلی سے لکھنؤ، عظیم آباد، فرخ آباد اور مرشد آباد چلے گئے۔ دہلی کی سلطنت لکھنؤ میں محبوس ہوکر رہ گئی تھی۔ مفتی صاحب اس زمانہ کے ایک ممتاز عالم باعمل، ادیب اور شاعر تھے۔

مفتی میر محمد عباس لکھنوی کا اسم گرامی محمد عباس اور تخلص سید تھا۔ ان کی پیدائش ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۷ء میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔ اور آپ کا انتقال ۸۲ برس کی عمر میں ۱۸۸۹ء میں ہوا۔ ان کے والد کا نام سید علی اکبر تھا اور دادا جان کا نام محمد جعفر شوشتری تھا۔ مفتی صاحب کے جد امجد سید محمد جعفر لکھنؤ کے آخری نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۳ء میں شوشتر (ایران) سے ترک وطن کرکے لکھنؤ آئے تھے۔ ان کے دادا جان اپنے عہد کے زاہدوں اور پارساؤں میں تھے۔ حسن خلق، آداب مجلس، رنگینی صحبت اور جود و ایثار میں وہ حاتم

وقت ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت ایران کے شہر شوشتر میں ہوئی اور عراق میں انھوں نے علوم طب و نجوم حاصل کیے تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۱۹ء میں ہوا۔ مفتی محمد عباس کی عمر اپنے داداجان کی رحلت کے وقت تقریباً بارہ سال تھی۔ اور ان کے والد کا انتقال ۱۸۴۴ء میں ہوا مفتی صاحب کی عمر ۳۷ سال تھی۔ انہوں نے اپنے والد کے عادات واطوار و خصائل حمیدہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے والد بڑی خوبیوں سے آراستہ، عبادت توکل اور قناعت میں ید طولی رکھتے تھے۔ وہ نہایت سادہ مزاج، بے تکلف اور منکسر المزاج تھے۔ شان و شوکت سے کوسوں دور تھے۔ کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ تحریر نہایت عمدہ لکھتے تھے اور روز مرہ کی فارسی زبان پر حاوی تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی تصنیفات و تالیفات میں ہیں۔ (۱) لسان العجم بزبان فارسی (۲) شرح شافیہ (۳) تعلیمات شرح تہذیب و تلخیص (۴) مکاتب فارسیہ

مفتی عباس کا خاندانی تعلق شوشتر (ایران) کے ایک مذہبی، دانشور اور فضل و کمال والے خاندان سے تھا۔ ظاہر ہے دو چیزیں کسی شخص کو بناتی ہیں۔ ایک تو خاندانی شرافت و نجابت جس کو خونی تعلق کہتے ہیں۔ اور دوسری شئے ماحول ہے۔ ماحول خود معلم ہے۔ مہذب اور پاکیزہ ماحول میں پرورش پانے والا بچہ ضرور باکمال بنتا ہے۔ قدرت نے مفتی میر محمد عباس کو ایک ایسے خانوادہ میں پیدا کیا جہاں ان کی تعلیم و تربیت کے سارے پاکیزہ اور پُرمغز اسباب موجود تھے۔ وہ ایک طویل مدت تک اپنے والد محترم کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ گھر میں حتی الامکان ہر طرح کے آسائش اور آرام موجود تھے لیکن دولت کی فراوانی نہ تھی۔ بس گذر بسر ہو رہی تھی۔ آپ کو بچپن سے ہی فضول وقت گذارنے سے نفرت تھی۔

مفتی محمد عباس کو انشاء پردازی اور شاعری کا ذوق کمسنی سے تھا۔ مولوی عبد القوی نے بڑی توجہ اور محبت سے ان کو ابتدائی تعلیم دی۔ انہوں نے صرف نحو، منطق، فلسفہ، حساب، ہیئت، طبیہ میں کمال حاصل کیا۔ ان کی مثنوی ''من وسلویٰ'' ایک مشہور فارسی مثنوی ہے جو بہاالدین آملی کی مثنوی ''نان وحلویٰ'' کے جواب میں ہے۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے۔ یہ مثنوی

۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں تقریباً دو ہزار آٹھ سو پنچانوے اشعار ہیں۔

فن شعری میں انھوں نے کسی سے مدد نہیں لی۔ شاعری میں ان کا کوئی استاد نہ تھا۔ ان کے اشعار معنی اور مطلب سے ایسا لگتا ہے کہ گویا سیپ میں موتی چھپا ہو۔ ان کی شاعری میں آہ و نالہ کی فراوانی ہے۔ انہوں نے کاغذ پر خون کی نہریں جاری کی ہیں۔ یہ خون ان کے فکر کی ایجاد ہے۔ مفتی عباس صاحب فارسی شاعری خصوصاً فارسی مثنویات میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی مثنویاں فارسی میں لکھی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مثنوی من وسلویٰ

(۲) مثنوی صحن وچمن

(۳) مثنوی گوہر شاہوار

(۴) جواہر عبقری یعنی رد تحفۂ اثنا عشریہ

یہ کتاب فارسی نثر میں مذہب امامیہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

ان مثنویوں کے علاوہ اور بھی کئی مثنویاں انہوں نے لکھی تھیں۔ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار صرف مثنوی من سلویٰ میں ہیں۔ کم از کم چار پانچ ہزار فارسی اشعار مطبوعہ ہیں۔

میر محمد عباس کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نیچرل شاعر تھے اس لئے بہت جلد حالات اور ماحول سے اثر پذیر تھے۔ وہ گرچہ صوفی شاعر تھے کیونکہ بیشتر اشعار صوفیانہ ہیں۔ لیکن کہیں کہیں پر ان کے اشعار عاشقانہ بھی ملتے ہیں۔ وہ ایک ایسے صوفی باعمل تھے کہ تخت وتاج کو خاک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔

مفتی محمد عباس نے ۱۸۵۷ء کا غدر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی۔ اس غدر کے پہلے واجد علی شاہ کی جلا وطنی کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اہل وطن اور خصوصاً اہل لکھنؤ کو کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ والدمحترم غدر سے صرف تیرہ سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ والدمحترم کی

وفات کے بعد بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن زبان پر ناشکری کے الفاظ نہیں آنے دیئے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ کبھی درس و تدریس کبھی وعظ و شعر وشاعری اور کبھی عبادت ووظائف میں مشغول رہنا آپ کا مشغلہ تھا۔ ۱۸۴۱ء میں محمد علی شاہ والی اودھ نے مناسب وظیفہ سے نوازا۔ محمد علی شاہ کے انتقال کے بعد یہ وظیفہ بند ہوگیا۔ پھر انہوں نے دوبارہ اس وظیفے کے جاری ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۸۴۷ء میں انہوں نے مفتی کا عہدہ سنبھالا۔ جسے نہایت حسن خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مفتی میر محمد عباس کی سیرت وشخصیت بہت ہی بلند پایہ تھی۔ آپ کی سیرت میں سچائی ایمانداری، انکساری، تواضع اور دوسروں کا درد تھا۔ آپ کی زندگی سنت نبویؐ کے مطابق تھی۔ آپ ایک عابد اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ آپ نہ صرف فارسی شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے بلکہ آپ ایک نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔ آپ اہل فقر میں سے تھے اور ان کے پاس عیش وعشرت کے سامان نہ تھے۔ مفتی صاحب اپنے فقر ہی کو یاد کر کے روتے تھے۔ وہ افلاس کو گلے سے لگاتے تھے اور یہی ان کی دولت تھی۔ آپ کی شخصیت وسیرت ہی کا جادو تھا کہ اودھ کے تین نوابوں جن کے زمانے میں آپ اہل قلم وباوقار ہوچکے تھے آپ کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور مناصب بلند بھی عطا کئے۔ محمد علی شاہ نے آپ کو مناسب وظیفہ دیا تھا۔ امجد علی شاہ نے مدرس کا عہدہ اپنے شاہی مدرسہ میں دیا انہوں نے مدرسہ شاہی لکھنؤ میں ایک مدت تک درس دیا۔ وہاں شاگرد آپ کے طریقہ تعلیم کے گرویدہ اور شیدائی تھے۔ اور واجد علی شاہ نے شاہی مسجد لکھنؤ کی امامت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

مفتی میر محمد عباس لکھنوی فارسی کے شاعر کی حیثیت سے ایک منفرد مقام کے حامل تھے۔ آپ کی شاعری کی روح جذبات نگاری اور واقعہ گوئی ہے۔ آپ نے ہندوستان میں اس دور میں فارسی شاعری کی، جب فارسی میں اشعار کہنے کا رواج ختم ہوچکا تھا۔ یوں تو محمد شاہ رنگیلے ہی کے عہد سے فارسی شعراء اردو کی طرف راغب ہورہے تھے۔ اس لئے محمد شاہ کے عہد

کو فارسی شاعری وادب کا آخری زرین عہد کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں میر شمس الدین فقیر عباسی، والہ داغستانی۔ آزاد بلگرامی، نظام الملک آصف جاہ شاہ فقیر اللہ آفریں لاہوری اور انجام جیسے باکمال شعراء فارسی شاعری کے آسمان پر روشن ستاروں کی طرح تھے۔ لیکن مفتی محمد عباس کا عہد اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کا عہد تھا۔ اس وقت دہلی حکومت اپنی طاقت اور رونق کھو چکی تھی۔ اس انتشار کے عالم میں ہندوستان میں فارسی کے صرف دو ہی بڑے شاعر نظر آتے ہیں۔ ایک مرزا اسد اللہ خاں غالب جن کو ہندوستان کا بچہ بچہ اردو شاعر کی حیثیت سے جانتا ہے۔ اور فارسی کے دوسرے بڑے شاعر مفتی میر عباس لکھنوی تھے جو اصلاً ایرانی تھے۔

مفتی صاحب نظم اور نثر دونوں میں مہارت رکھتے تھے اور پیدائشی شاعر تھے۔ انہوں نے فارسی اور عربی زبان میں مثنویاں لکھی۔ انہیں حسن ترتیب میں مہارت حاصل تھی۔ کس واقعہ کو پہلے اور کس کو بعد میں آنا چاہیے اس سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

شہنشاہ دوراں جہاں بان دہر — ازو شد بہارین گلستان دہر
گدای بکویش چو جمشید شد — بہ ہر ذرہ تابید و خورشید شد

اسی طرح کردار نگاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔

جای کہ خدا شنا بخواند — مداحی او کہ می تواند
شاہا تو امید گاہ مائی — شاہی است بکوی تو گدائی

انہیں واقعہ نگاری میں خاص مہارت حاصل تھی۔ واقعہ نگاری کے فن سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ واقعہ نگاری کی بنیاد قوت خیال پر ہے اور قدرت نے وراثت میں آپ کو قوت تخیل سے نوازا تھا۔

فراختہ خیمہ ہائی گردوں — انداختہ فرش ربع سکوں
قندیل نجوم کردہ روشن — ہر بام فلک بغیر روغن

انکو منظر نگاری میں بھی کمال حاصل تھا حالانکہ آپ مولانا روم کی طرح ایک صوفی

شاعر تھے لیکن جہاں کہیں بھی آپ کو موقع ملا آپ نے منظر نگاری کا کمال دکھایا ہے۔

سنبل شدہ موی از فراقش ‏ ‏ ‏ نرگس ہمہ چشم ز اشتیاقش

گل بہر رضای او خموشان ‏ ‏ ‏ بلبل بہ ہوای او خروشان

وہ ایک نغز گو شاعر تھے۔ کسی بات کو نہایت خوبصورتی سے پیش کرنا ان کے فن کا کمال تھا۔ ان کی مثنوی کوئی ایک ممتاز شاعر کی مثنوی کوئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی شاعری سحر پردازی اور اعجاز طرازی ہے۔ آپ کی ذات گرامی فیض آیات اور آپ کی شاعری نگارستان چمن پیش کرتی ہے۔

شکوہ از گردون گرداں ناروا ست ‏ ‏ ‏ کانچہ بر سرماست از خداست

کیست گردوں تا جفا کاری کند ‏ ‏ ‏ عکس حکم حضرت باری کند

ان کے اشعار میں شیرینی اور حلاوت ہے۔ اس وصف میں خواجہ حافظ اور فیضی کمال پر تھے۔ لیکن مفتی صاحب بھی لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے شیرینی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے بیشتر اشعار میں شیرینی پائی جاتی ہے۔

گفت ای مسکین چہ آمد بر سرت ‏ ‏ ‏ چیست این محنت کجا شد شوہرت

کشتہ جور وجفای حیدرم ‏ ‏ ‏ قتل در میدان جنگ با او شدم

وہ زہد وتقویٰ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مجتہد عصر تھے۔ اس کے باوجود طبیعت میں رنگینی تھی۔ ان کے اشعار میں رنگینیاں پائی جاتی ہیں۔

مرا تاجر تازہ ہمسایہ بود ‏ ‏ ‏ کہ دانشور و صاحب مایہ بود

خدا دادہ بودش بآن سیم وزر ‏ ‏ ‏ دو تا دختر دلبر وسیم بر

ان کی زبان میں سلاست وصفائی تھی۔ ان کی شاعری حقائق ومعارف وپند وموعظت سے پر ہے۔ انداز بھی بہت دلنشیں ہے۔ انھوں نے کئی مثنویاں لکھیں اور غزلیں اور قصیدے بھی لکھے۔ تینوں اصناف میں وہ سلاست وروانی میں پیچھے نہیں رہے۔

سحر خانہ ام آن جانان آمدند بکاشانہ ام مہمان آمدند
نگاہی بآن قد وبالا نبود ہوای ز سلمیٰ و لیلیٰ نبود
از آنہا سراسیمہ بگریختم دران گوشہ پردہ ہم آویختم

جذبات نگاری شاعری کی روح ہوتی ہے۔ مفتی صاحب جذبات نگاری میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے بیشتر اشعار جذبات نگاری سے پر ہیں۔ مثنوی کے اشعار ہوں یا غزل اور قصیدہ کے سب میں جذبات نگاری موجود ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ بود در قناعت ہم ید بیضا نمود
گنج قاروں بود در چشمش حقیر در دعا گفت است من خیر فقیر

ان کے بیشتر اشعار لطف ادا کا لطف دیتے ہیں۔ وہ اس صنعت میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ اپنے لطف ادا سے ایک حقیقت کا سماں کھینچ دیتے ہیں۔ ان کے اشعار اس وصف میں نمایاں برتری رکھتے ہیں۔

دلا شیوۂ عشق بازان شنو بیا قصۂ جان گدازان شنو
یکی اشک ریزان یکی در خضوع یکی در سجود ویکی در رکوع

وہ نسلاً اہل زبان اور مختلف علوم وفنون سے آراستہ تھے۔ ان کے بیشتر اشعار میں نازک خیالی پائی جاتی ہے۔ انہیں اس وصف میں مہارت حاصل تھی۔

قندیل نجوم کردہ روشن بر بام فلک بغیر روغن
آن خیمۂ بی طناب بنگر وین فرش بروی آب بنگر

ان کے اشعار سادگی اور روانی سے پُر ہیں۔ اگر ان کی زبان میں عربی کی آمیزش نہ ہوتی تو وہ اپنے وقت کے سعدی اور حافظ ہوتے۔ بہر حال ان کے بیشتر اشعار اس وصف سے آراستہ ہیں۔

مفتی صاحب نے قصیدے بہت کم لکھے ہیں لیکن جو بھی لکھے ہیں وہ بہت خوب

ہیں۔ ان کے قصیدوں میں فصاحت ، سادگی ، زوربیان، تخیل ،نغزگوئی اور پختگی ہے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو ان کی شاعرانہ عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

دو روزہ عیش زماں ومناں می باشد نہ وقت مرگ بکار آید ونہ روز شمار

بہ سیم وزر ملک الموت بر نمی گردد نہ حور وخلد بود طالبش ز تو زنہار

انہوں نے ایک قصیدہ نواب واجد علی شاہ کی مدح میں لکھا

اے ذرہ ز کوئے تو سلطان خاوری

وی طرہ ز جوئے تو دیوان انوری

مفتی صاحب اردو شاعری میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی اردو شاعری اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھی ۔ ان کی اردو غزلوں میں بھی رنگینی اور درد پایا جاتا ہے۔ وہ اردو شاعری میں کافی مہارت رکھتے تھے ۔ انہوں نے فارسی اور اردو کے علاوہ عربی میں بھی شاعری کی ہے۔

مفتی محمد عباس لکھنوی صرف شاعری نہیں بلکہ عربی ، فارسی اور اردو کے نثر نگار بھی تھے۔ وہ اپنے زمانے کے جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مرزا غالب دہلوی کے ہمعصر تھے۔ اور غالب بھی ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان کے بعد ہندوستان میں فارسی کے آخری بڑے شاعر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہوئے۔

آپ شاعروں کے سرتاج ،علیم اور دانا تھے۔ آپ صدف کی چمک اور دریگانہ تھے۔ آپ سرو اور طوطی چمن کی حیثیت رکھتے تھے سرکبریائی کے واقف اور علم وپارسائی کے مخزن تھے۔ آپ زاہد اور شاعر ادراک کے مالک ، عابد اور نفیس روح والے تھے۔

نوبت چو بما رسید در دہر

شد قحط ہنر بقریہ و شہر